بحث و نظر

"بیع مؤجل کی شرعی حیثیت"

مولانا الطاف الرحمٰن بنوی کے جوابِ مضمون پر مولانا محمد طاسین کا احتجاج

'بیع موجل' کی شرعی حیثیت کے بارے میں بحث کا آغاز جنوری ۹۲ء کے حکمت قرآن سے ہوا تھا۔ اس بحث کا چونکہ نہایت گہرا تعلق موجودہ بینکاری کے نظام کے ساتھ ہے لہٰذا اس کی اہمیت کے پیش نظر اس بحث سے متعلق جملہ مکاتیب فکر کے اہل علم کے لئے حکمت قرآن کے صفحات کھلے رکھے گئے۔ مولانا مفتی سیاح الدین کاکاخیل" اور مولانا محمد طاسین صاحب نے ایک نقطۂ نظر پیش کیا جس کے جواب میں قاضی عبدالکریم صاحب اور مولانا الطاف الرحمٰن بنوی کے نقطۂ نظر کو حکمت قرآن کے صفحات میں جگہ دی گئی۔ ساتھ ہی مولانا طاسین صاحب کی جانب سے جواب [illegible] کی گئی اور بعد ازاں جواب در جواب کے طور پر مولانا بنوی صاحب کا ایک اور مفصل مضمون بھی حکمت قرآن میں شائع کیا گیا تاکہ بحث کے تمام گوشے اہل علم کے غور و فکر کے لئے روشن ہو جائیں۔ تاہم اس جواب در جواب کے سلسلے میں کہیں کہیں تلخی بھی در آتی ہے جسے کسی قدر کم تو کیا جا سکتا ہے اور ہم ایک حد تک اس کا اہتمام کرتے بھی ہیں۔ لیکن بسا اوقات وہ تلخی مضمون کے تانے بانے میں اس طرح رچی ہوتی ہے کہ اسے بالکل ختم کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ مضمون کی اہمیت اور وسیع تر علمی مفاد کے پیش نظر اس تلخی کو گوارا کرنا پڑتا ہے۔ اس سے قبل جو مضامین ہم نے شائع کئے ان کی اشاعت بھی اسی نقطہ نگاہ سے کی گئی اور ذیل میں مولانا محمد طاسین صاحب کا مضمون بھی اسی اعتبار سے شائع کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

بخدمت گرامی قدر محترم المقام ڈاکٹر اسرار احمد صاحب امیر تنظیم اسلامی حفظہ اللہ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ!

اللہ کرے آپ بہمہ وجوہ خیر و عافیت اور صحت و سلامتی سے ہوں اور مرضیاتِ الٰہیہ پر چلنے اور دینی و علمی خدمات انجام دینے کی زیادہ سے زیادہ توفیق شامل حال ہو!

یہ خط جو آپ کی خدمت میں لکھا جا رہا ہے اس کا تعلق اس مضمون سے ہے جو میرے مضمون کے جواب میں لکھا گیا اور ماہنامہ حکمت قرآن کے شمارہ نومبر دسمبر ۱۹۹۲ء میں شائع ہوا۔ اس مضمون میں جس مجادلانہ روش اور جس ذہنیت کا مظاہرہ ہوا اس کے پیش نظر میں مضمون نگار کو مخاطب کر کے کوئی بات کہنا لکھنا گناہ سمجھتا ہوں' البتہ آپ کو مخاطب کر کے کچھ باتیں عرض کر دینا ضروری خیال کرتا ہوں' اس وجہ سے کہ ماہنامہ میثاق اور حکمت قرآن جماعت و تنظیم کے ترجمان پرچے ہیں آپ اس کے امیر اور

© rasailojaraid.com

سب کرتا دھرتا ہیں، آپ کی مرضی کے بغیر ان میں کوئی تحریر شائع نہیں ہو سکتی خواہ وہ کسی کی بھی ہو گویا حقیقی ذمہ داری آپ کی ہے۔

پہلی بات یہ کہ چونکہ ماہنامہ میثاق اور حکمت قرآن ایک ایسی جماعت و تنظیم کے پرچے ہیں جس کا مقصد اور نصب العین دنیا میں قرآن و سنّت کے مطابق اسلامی انقلاب بپا اور دینِ اسلام کا بول بالا کرنا ہے لہٰذا یہ ضروری قرار پاتا ہے کہ ان پرچوں میں شائع ہونے والا ہر مضمون، اشاعت سے پہلے پورے غور کے ساتھ پڑھا جائے اور اچھی طرح اس کا جائزہ لیا جائے کہ وہ مذکورہ مقصد و نصب العین سے مطابقت رکھتا اور اس کے لئے مفید و کارآمد ہے یا نہیں؟ جس موضوع پر وہ لکھا گیا اس کے متعلق مثبت اور واضح دلائل رکھتا ہے یا نہیں؟ اور اس کا اسلوب علمی، سنجیدہ اور شائستہ ہے یا نہیں؟ اگر وہ کسی دوسرے شائع شدہ مضمون کے ردّ اور جواب میں لکھا گیا ہے تو شائع کرنے سے پہلے پوری توجہ کے ساتھ یہ دیکھا جائے کہ وہ دلائل کے لحاظ سے مثبت اور اندازِ بحث اور طرزِ تحریر کے اعتبار سے معقول و شائستہ ہے یا محض تنقیدی اور منفی نوعیت کا، موضوع سے غیر متعلق قیل وقال پر مشتمل اور اندازِ بحث و بیان کے لحاظ سے غیر علمی اور ناشائستہ ہے اور اس کا مقصد محض دوسرے کو مطعون و بدنام کرنا اور اس پر کیچڑ اچھالنا ہے۔ اول الذکر قسم کا جوابی مضمون صحیح اور قابلِ اشاعت جبکہ ثانی الذکر قسم کا تردیدی اور جوابی مضمون غلط اور ناقابلِ اشاعت ٹھہرتا ہے۔

اسی طرح مثلاً جو مضمون کسی مسئلہ کے شرعی حکم سے متعلق صرف قرآن و حدیث کی روشنی میں تحقیقی انداز سے لکھا گیا اور اس میں اسلام کے نہایت وسیع و عالمگیر آفاقی تصور اور بلا تخصیصِ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی تمام مسلمانوں کو ملحوظ و مدِ نظر رکھا گیا ہو، ایسے مضمون کا جواب وہ مضمون ہرگز نہیں ہو سکتا جو قرآن و حدیث سے صرفِ نظر کر کے کسی خاص فقہی مسلک کے بعض فقہاء کے اقوال کی بنیاد پر اندھی و جامد تقلید کے تحت لکھا گیا ہو اور جس کا تعلق عام مسلمانوں کی بجائے کسی خاص فقہی مسلک سے تعلق رکھنے والے مسلمانوں سے ہو۔ لہٰذا اول الذکر مضمون کے جواب میں ثانی الذکر مضمون کو شائع کرنا اصولاً غلط قرار پاتا ہے۔

دوسری بات یہ کہ ماہنامہ حکمت قرآن، کے مذکورہ شمارے میں شائع شدہ جوابی

© rasailojaraid.com

مضمون کی تمہید میں مضمون نگار نے میری علمی شخصیت اور بعض معاشی مسائل کے متعلق میری تحقیق و کاوش کے بارے میں اپنی مخصوص ذہنیت کے مطابق جو خامہ فرسائی کی ہے اگر آپ کے نزدیک وہ صحیح نہیں اور آپ اس سے متفق نہیں تو پھر آپ نے اس کا کیوں نوٹس نہیں لیا اور اپنے ادارتی نوٹ میں کیوں اس پر کچھ نہیں لکھا؟ حالانکہ لکھنا ضروری تھا۔ فرض کیجئے آپ میری جگہ ہوتے اور میں آپ کی جگہ ہوتا تو اس صورت میں آپ کا رویہ کیا ہوتا؟ رہا مضمون نگار تو میں اس کو اس لئے قابلِ التفات نہیں سمجھتا کہ اس کی علمیت اور تقلیدی ذہنیت کا یہ عالم ہے کہ وہ کتبِ فقہ کی ہر عربی عبارت کو قرآن و حدیث کی طرح سمجھتا اور ہر فقیہ کو معصوم شارع کا درجہ دیتا اور اس کے قول کو بلا کسی شرعی سند کے حجت مانتا اور واجب العمل ٹھہراتا ہے۔ مثلاً اس نے مذکورہ مضمون کے پہلے صفحہ پر اپنے موقف کی تائید بلکہ ثبوت میں فقہ حنفی کی دو کتابوں سے دو عربی عبارتیں اس طرح پیش کی ہیں کہ وہ گویا قرآن مجید کی آیات اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث ہیں۔ اس کے نزدیک تنویر الابصار اور فتاویٰ خانیہ کا درجہ قرآن و حدیث کا سا ہے، ان کے اندر لکھی ہوئی ہر بات قرآن و حدیث کی طرح صحیح اور واجب العمل ہے اور اس کی خلاف ورزی موجبِ عذاب گناہ۔ اندھی اور جامد تقلید نے اس قسم کے لوگوں کے ذہنوں کو ایسا کند اور مسخ کر دیا ہے کہ وہ خود اپنے فقہاء کے اقوال کو بھی پوری طرح نہیں سمجھ پاتے، کیونکہ عموماً ان کے سامنے وہ پس منظر اور محل و موقعہ نہیں ہوتا جس سے ان فقہاء کے اقوال کا تعلق تھا، لہٰذا ان کی غلط ترجمانی کرتے ہیں۔ اور پھر اکثر یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک مسئلہ سے متعلق لکھے ہوئے مختلف اقوال میں سے اس قول کو لے لیتے ہیں جو ان کے مفیدِ مطلب ہوتا ہے، بغیر یہ دیکھے کہ دلیل کے لحاظ سے وہ قوی ہے یا کمزور، بس عربی میں لکھا ہونا چاہئے، یہی کافی ہے۔

برا ہو ہمارے اس طرزِ تعلیم کا جو کتبِ فقہ کے عالم اور حافظ تو پیدا کرتا ہے لیکن فقاہت سے متصف دین کی گہری سمجھ بوجھ رکھنے والے فقیہ تیار نہیں کرتا جو عہدِ حاضر کے جدید مسائل کو قرآن و سنت کی روشنی میں حل کر سکتے ہوں۔ ہمارے علماءِ کرام کے سامنے جب کوئی جدید مسئلہ آتا ہے تو اس کی شرعی حیثیت متعین کرنے کے لئے کتبِ فقہ و فتاویٰ کی طرف رجوع کرتے اور کوئی ایسا جزئیہ تلاش کرنے میں منہمک ہو جاتے ہیں جو

© rasailojaraid.com

اس جدید مسئلہ سے کچھ مشابہت و مماثلت رکھتا ہو۔ جزئیہ مل گیا تو اس جدید مسئلہ کے متعلق فتویٰ صادر فرما دیتے ہیں، قطع نظر اس سے کہ اس جزئیے کا کس کلیئے سے تعلق ہے اور وہ کلیہ قرآن و حدیث کی کس نص سے ماخوذ ہے، یعنی یہ دیکھے بغیر کہ خود اس کی شرعی حیثیت کیا ہے۔ اس افسوسناک صورت حال کا نتیجہ وہ شدید اختلاف ہے جو بہت سے جدید مسائل کے متعلق علماء کرام کے مابین پایا جاتا ہے۔

عہد حاضر کے جدید معاشی، معاشرتی اور سیاسی مسائل بہت پیچیدہ مسائل ہیں۔ اسلام کے حوالے سے ان کا کوئی حل پیش کرنے سے پہلے نہایت ضروری ہے کہ ان کی حقیقت و ماہیت کو پوری توجہ اور غور و فکر سے سمجھا جائے، لیکن افسوس کہ ان مسائل پر بہت سے لکھنے اور بحث و تمحیص کرنے والے ان کو اچھی طرح سمجھنے کی زحمت نہیں فرماتے، لہٰذا اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ جو لکھتے ہیں اس کا اصل مسئلہ سے کوئی تعلق ہی نہیں ہوتا چنانچہ ساری محنت رائیگاں چلی جاتی ہے۔ اس کی تازہ مثال بیع المؤجل کا وہ خاص معاملہ ہے جس کے جواز و عدم جواز پر بحث چھڑی ہوئی ہے۔ میں نے براہ راست قرآن و سنت کے دلائل سے اس کو ناجائز ثابت کیا اور ربٰو جیسا معاملہ بتلایا ہے اور میری تردید میں جن حضرات نے مضامین لکھے اور شائع کئے ہیں انہوں نے اپنے موقف کے ثبوت میں قرآن و حدیث سے کوئی ایسی دلیل پیش نہیں کی جو اس زیرِ بحث معاملے کے جواز پر دلالت کرتی ہو۔ کتبِ فقہ کی جن عبارتوں سے انہوں نے اس کے جواز پر استدلال کیا ہے ان میں کسی سے اس معاملے کا جواز ثابت نہیں ہوتا، بلکہ ان عبارتوں کو سیاق و سباق کا لحاظ رکھتے ہوئے بغور دیکھا جائے تو وہ مسئلہ زیر بحث سے غیر متعلق نظر آتی ہیں۔ ان عبارتوں کا جن معاملات سے تعلق ہے وہ زیر بحث معاملہ سے مختلف ہیں۔ اسی طرح بعض حضرات نے جو احادیث اور روایات پیش فرمائیں وہ بھی جن معاملات سے متعلق ہیں وہ بھی زیر بحث معاملہ سے مختلف معاملات ہیں۔ جزوی مشابہت کا احکام میں اعتبار نہیں ہوتا۔

بیع المؤجل کا وہ معاملہ جس کی شرعی حیثیت کا تعین مقصود ہے دراصل وہ معاملہ ہے جس میں کوئی چیز ادھار کی وجہ سے اس قیمت سے زائد قیمت پر بیچی خریدی جاتی ہے جو بصورتِ نقد بازار میں اس کی عام طور پر مقرر ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس میں بازار کی

© rasailojaraid.com

مقررہ قیمت سے جو زائد قیمت لی دی جاتی ہے وہ اس مہلت اور تاخیر کی وجہ سے ہوتی ہے جو فروخت کنندہ ادائیگی کے لئے خریدار کو دیتا ہے اور یہ کہ خریدار اپنی اس مجبوری کے تحت بازاری قیمت سے زائد قیمت پر خرید لیتا ہے کہ نقد ادا نہیں کر سکتا، اور چونکہ یہ ایک تسلیم شدہ بات ہے کہ قرض اور دَین پر اجل اور مہلت کی وجہ سے جو اضافہ ہوتا ہے وہ ربوٰ ہے لہٰذا معاملہ زیر بحث ربوی معاملہ ہونے کی وجہ سے ناجائز قرار پاتا ہے۔

غور سے دیکھا جائے تو یہ معاملہ اس معاملے سے بھی مختلف ہے جس کے جواز کا مبسوط السرخسی میں ذکر ہے اور ایک صاحب نے اپنے مضمون کے اندر اس سے معاملہ زیرِ بحث کے جواز پر استدلال کیا ہے۔ اسی طرح یہ زیرِ بحث معاملہ اس معاملے سے بھی مختلف ہے جس کا میں نے اپنے ایک جوابی مضمون میں کتاب الحجہ امام محمد اور مؤطا امام مالک کے حوالے سے ذکر کیا اور یہ بتلایا ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اس کے جواز کی نسبت بہت کمزور اور ناقابلِ اعتبار ہے، جبکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اس کے عدمِ جواز کی نسبت دلائل اور تعاملِ صحابہ و تابعین کے لحاظ سے مضبوط اور قابلِ اعتبار ہے۔ ہمارے زیر بحث معاملے اور اس معاملے میں جو فرق و اختلاف ہے وہ یہ کہ اس معاملے کا تعلق دو ایسے فریقین سے ہے جن میں سے ایک دائن اور دوسرا مدیون ہے اور معاملے کی تجویز دائن کی طرف سے نہیں مدیون کی طرف سے خاص مجبوری کی وجہ سے ہوتی ہے، جبکہ معاملہ زیر بحث میں معاملہ کرتے وقت نہ کوئی فریق دائن ہے اور نہ کوئی مدیون۔ باریکیوں کو سمجھنے والے جانتے ہیں کہ دو معاملوں کے درمیان اس قسم کے فرق و اختلاف سے ان کے شرعی حکم مختلف ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح بعض اہلِ قلم نے زیر بحث بیع المؤجل کو جائز ثابت کرنے کے لئے اپنے مضمون میں بیع العینہ کے جواز سے متعلق قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ایک شاذ قول سے استدلال کیا ہے جو کئی وجوہ سے ناقابلِ اعتبار ہے۔ ایک اس وجہ سے کہ بیع العینہ کا معاملہ ہمارے زیر بحث بیع المؤجل کے معاملہ سے مختلف ہے۔ بیع العینہ کے معاملہ میں کسی چیز کی جو خرید و فروخت ہوتی ہے وہ بذاتِ خود مقصود نہیں ہوتی بلکہ قرض کی رقم پر بطورِ سود اضافہ کرنے کا ایک حیلہ ہوتا ہے، اصل مقصد قرض کی رقم پر مہلت اور اجل کی وجہ سے اضافہ کرنا ہوتا ہے، جبکہ بیع المؤجل کے معاملہ میں کسی چیز کی خرید و فروخت اصل مقصود ہوتی ہے۔ اور

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

دوسری وجہ یہ کہ بیع العینہ جمہور فقہاء کے نزدیک حرام و ممنوع بیع ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی جس حدیث کے پیش نظر جمہور فقہاءِ کرام نے بیع العینہ کو فاسد اور ناجائز کہا ہے وہ سنن ابی داؤد وغیرہ میں اس طرح ہے:

عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال سمعتُ رسولَ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اذا تبایعتم بالعینۃِ و اخذ تم اذنابَ البقرِ و رضیتم بالزرع و ترکتم الجہادَ سلّط اللہ علیکم ذُلًّا لاَ ینزعہ حتی ترجِعوا الٰی دینکم (ص ۱۳۴، ج ۲، کتاب البیوع)

"حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ فرماتے سنا کہ جب تم بیع العینہ کا آپس میں کاروبار کرو گے اور بیلوں کی دموں کو پکڑ لو گے اور پیشہ زراعت کو دلچسپی کے ساتھ اختیار کر لو گے اور جہاد کرنا چھوڑ دو گے تو تم پر اللہ ذلت مسلط کر دے گا اور اس وقت تک دور نہیں کرے گا جب تک تم اپنے دین کی طرف نہ لوٹ جاؤ گے۔"

یہ حدیث متعدد طرق سے مروی اور الفاظ کے معمولی اختلاف کے ساتھ حدیث کی بہت سے کتابوں میں مذکور ہے۔ تفصیل دیکھنی ہو تو نصب الرایہ لاحادیث الہدایہ میں جلد چہارم صفحہ ۱۶ اور ۱۷ پر دیکھئے جو ان الفاظ سے شروع ہوتی ہے:

وفی تحریم العینۃِ احادیثُ "وَالعینۃ" بیعُ سلعۃٍ بثمن مؤجل ثم بعود فیشتریہا بانقص منہ حالًّا

"بیع العینہ کی تحریم میں متعدد احادیث ہیں اور بیع العینہ اس بیع کا نام ہے جس میں کوئی چیز ادھار ثمن پر بیچی جاتی ہے، پھر وہی بیچنے والا خریدار سے وہ چیز بصورت نقد کم قیمت پر خرید لیتا ہے۔"

بیع العینہ کو ایک مثال سے یوں واضح کیا جا سکتا ہے کہ زید کو اپنی کسی فوری ضرورت کے لئے سو روپے کی ضرورت ہے، وہ خالد سے سو روپے قرض مانگتا ہے، ایک سال کی مدت کے لئے خالد اس کو قرضِ حسنہ کے طور پر دینے کی بجائے کہتا ہے کہ میں اس شرط پر تمہیں سو روپے دے سکتا ہوں کہ تم ایک سال کے بعد ایک سو دس ادا کرو۔ زید اس کو دیانتہً ربائے حرام سمجھ کر اس سے بچتا ہے تو خالد اس کو کہتا ہے کہ تم میری یہ چیز ایک

© rasailojaraid.com

سال کے ادھار پر ایک سو دس روپے میں خرید لو اور پھر یہی چیز ایک سو نقد کے بدلے مجھ پر بیچ دو، اس طرح تمہیں فوری ضرورت کے لئے سو روپے مل جائیں گے، البتہ پہلے معاملہ کے مطابق تمہیں سال کے بعد ایک سو دس روپے ادا کرنے پڑیں گے۔ آپ نے دیکھا اس مثال میں جو خرید و فروخت کا معاملہ ہوا وہ اصل مقصود نہ تھا بلکہ اصل مقصد سو روپے نقد دے کر سال کے بعد اضافے کے ساتھ ایک سو دس وصول کرنا تھا، خرید و فروخت کے معاملہ کو اس کے لئے حیلہ بنایا گیا۔ اور چونکہ فقہاء کے ہاں یہ ایک متفقہ اور مسلمہ قاعدہ کلیہ ہے کہ عقود و معاملات میں مقاصد و معانی کا اعتبار ہوتا ہے معاملے کی ظاہری شکل اور الفاظ کا اعتبار نہیں ہوتا لہٰذا بیع العینہ کا معاملہ اس قاعدہ کلیہ کی رو سے حرام قرار پاتا ہے کیونکہ اس میں اصل مقصود مالِ قرض میں مہلت اور اجل کی وجہ سے اضافہ کرنا ہوتا ہے جس کا دوسرا نام ربٰوا لنسیئہ ہے اور جس کے حرام ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ بنا بریں یہ معاملہ ناجائز قرار پاتا ہے۔

بیع العینہ کے متعلق کتاب "الفقہ الاسلامی وادلتہ" میں مذاہبِ اربعہ کے حوالے سے جو تفصیل ہے وہ یہ کہ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک یہ بیع باطل ہے، شوافع کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے اور ائمہ احناف میں سے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فاسد ہے، امام محمد الشیبانیؒ کے نزدیک مکروہ تحریمی اور قاضی ابو یوسفؒ کے نزدیک بلا کسی کراہیت کے جائز بلکہ مستحب ہے۔ بیع العینہ کی برائی کے متعلق امام محمد الشیبانی کے الفاظ جو حنفی کتب فقہ و فتاویٰ میں مذکور ہیں یہ ہیں:

قال محمد ھذا البیع فی قلبی کامثال الجبال ذمیمٌ اخترعہٗا کلۃ الربٰو

(فتح القدیر جلد ۵ صفحہ ۴۲۵، رد المحتار شامی جلد ۴ صفحہ ۲۴۴)

"امام محمد نے کہا یہ بیع (یعنی بیع العینہ) میرے دل میں پہاڑوں کے برابر مذموم ہے (یعنی میرے دل میں اس کی جو مذمت ہے وہ پہاڑوں کے برابر ہے یعنی بے پناہ) اور یہ کہ اس کو سود خواروں نے اختراع کیا اور گھڑا ہے۔"

امام محمد کے یہ الفاظ اس معاملہ کے کم از کم مکروہِ تحریمی ہونے پر ضرور دلالت کرتے ہیں۔ سود خواروں کا اختراع کردہ معاملہ سودی قسم کا معاملہ اور حرام و مکروہِ تحریمی معاملہ ہی ہو سکتا ہے، مکروہ تنزیہی کبھی پہاڑوں کے برابر مذموم نہیں ہوتا۔

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

بیع العینہ کے متعلق کتاب مذکور میں فقہاء کے مذاہب اور ان کے دلائل بیان کرنے کے بعد صاحبِ کتاب دکتور وہبہ الزحیلی لکھتے ہیں:

والخلاصۃ ان جمہور الفقہاء غیر الشافعیۃ قالوا بفساد ھذا البیع و عدم صحتہ لانہ ذریعۃ الی الربٰو وبہ یتوصل الی اباحۃ ما نہی اللّٰہ عنہ فلا یصح

(ص ۹۷۶ ج ۴)

"خلاصہ یہ کہ جمہور فقہاء نے سوائے شافعیہ کے، کہا ہے کہ یہ بیع فاسد اور نادرست یعنی باطل ہے کیونکہ یہ ربٰو کا ذریعہ ہے اور سبب بنتی ہے اس چیز کی اباحت کا جس سے اللہ تعالیٰ نے روکا اور منع کیا ہے یعنی ربٰو، لہٰذا یہ صحیح و جائز نہیں۔"

جہاں تک شافعیہ کا تعلق ہے وہ اگرچہ اس کے فاسد و باطل ہونے کے قائل نہیں لیکن مکروہ تحریمی کے ضرور قائل ہیں۔ کتاب مذکور میں دلائل کے لحاظ سے ان کے موقف کو کمزور بتلایا گیا ہے۔

بہرحال فقہاء میں قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ وہ واحد فقیہ ہیں جن کے نزدیک بیع العینہ نہ صرف یہ کہ بلا کراہیت جائز معاملہ ہے بلکہ مستحب ہے۔ بعض کتابوں میں اس جواز کے متعلق ان کے حوالے سے یہ دلیل پیش کی گئی ہے کہ چونکہ ربٰو سے بچنے کا یہ ایک حیلہ ہے لہٰذا جائز ہے، لیکن یہ دلیل نہایت کمزور ہے۔ ایک اس وجہ سے کہ اگر یہ ربٰو سے بچنے کا ذریعہ اور حیلہ ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اس سے منع نہ فرماتے، حالانکہ مذکورہ بالا حدیثِ نبویؐ میں اس سے منع کیا گیا ہے۔ بالفاظِ دیگر بیع العینہ میں جو حیلہ ہے اگر وہ جائز ہوتا تو نبی کریم ﷺ بیع العینہ سے منع نہ فرماتے لیکن جیسا کہ حدیث مذکور سے معلوم ہوتا ہے آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا۔ بیع العینہ کی ممانعت کے متعلق فتح القدیر وغیرہ میں ایک اور حدیث بھی پیش کی گئی ہے جس کے بعض الفاظ اس طرح ہیں: "**ایّاک والعینۃ فانھا لعینۃ**" کہ بیع العینہ سے ضرور بچو کیونکہ یہ ملعون اور قابلِ لعنت ہے یعنی اللہ کی رحمت سے دوری کا ذریعہ۔ لہٰذا بیع العینہ کی ممانعت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اس میں کیا جانے والا حیلہ درست نہیں، اس لئے کہ جن فاسد معروضی نتائج کی وجہ سے ربٰو کو حرام ٹھہرایا گیا ہے وہ حیلے کی صورت میں بھی ضرور مرتب

© rasailojaraid
© rasailojaraid

ہوتے ہیں' یعنی ایک فریق کو دوسرے کا مال بلاعوض ملتا اور ایک کی حق تلفی ہوتی ہے۔ مطلب یہ کہ حیلے سے نہ معاملہ کی حقیقت بدلتی ہے اور نہ وہ قباحت اور برائی دور ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس معاملہ کو حرام قرار دیا گیا بلکہ یہ ایک طرح کا مذاق ہے جو اللہ علیم و خبیر کے حکم کے ساتھ بھونڈے طریقہ سے کیا جاتا ہے۔ اسی طرح فتح القدیر وغیرہ میں بیع العینہ کے متعلق قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب یہ جو قول ہے کہ :

قال ابو یوسف لایکرہ ھذا البیع لانہ فعلہ کثیر من الصحابۃ و حمدوا علی ذٰلک ولم یعدوہ من الربوٰ (ص ۴۲۵' ج ۵)

"حضرت قاضی ابو یوسف نے کہا کہ یہ بیع مکروہ نہیں کیونکہ اس کو بہت سے صحابہ نے کیا اور اس کی تعریف و تحسین کی ہے اور اس کو انہوں نے ربوٰ میں شمار نہیں کیا"

میں سمجھتا ہوں اگر اس قول مذکور کی نسبت کا قاضی ابو یوسف کی طرف انکار کردیا جائے تو اچھا ہے کیونکہ یہ قول ایک تو ان احادیث نبویہ کے صریح طور پر خلاف ہے جن کے پیش نظر جمہور فقہاء کرام نے جن میں امام اعظم امام ابو حنیفہ اور قاضی صاحب کے ساتھی امام محمد بھی شامل ہیں اس بیع کو باطل' فاسد اور مکروہ تحریمی کہا ہے۔ مطلب یہ کہ ان احادیث کو صحیح اور قابل اعتماد تسلیم کیا گیا ہے۔ اور دوسرے اس قول کو درست ماننے کی صورت میں صحابہ کرام پر طعن لازم آتا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کے خلاف عمل کرتے تھے جو کسی طرح درست نہیں' کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم امتِ مسلمہ کے افراد میں سب سے زیادہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے مطیع و فرمانبردار اور سب سے بڑھ کر متقی و پرہیزگار تھے۔ اگر بالفرض یہ مان لیا جائے کہ حضراتِ صحابہ کرامؓ بیع العینہ کا معاملہ کرتے اور اس کو مستحسن اور اچھا سمجھتے تھے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ امام مالک مدنی نے بیع العینہ کو کیوں باطل و حرام کہا جبکہ وہ تعاملِ صحابہؓ اور تعاملِ اہلِ مدینہ کو شرعی دلیل کی حیثیت سے بے حد اہمیت دیتے تھے اور یہ کہ جمہور فقہاء جن میں امام ابو حنیفہ اور امام محمد بھی شامل ہیں کیوں بیع العینہ کے عدم جواز کے قائل ہوئے؟ مطلب یہ کہ جس معاملہ پر حضرات صحابہ کرام کا عمل رہا اور جس کو انہوں نے اچھا اور مستحسن کہا ہو اس معاملہ کو ناجائز' حرام اور مکروہ کہنے والوں کے متعلق کیا کہا جائے گا؟ اگر یہ کہا جائے

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

کہ ان کو اس کا علم نہیں تھا تو یہ نہایت غلط جواب ہوگا کیونکہ اس کا مطلب یہ بنتا ہے کہ قاضی ابو یوسف کو مدینہ کے رہنے والے امام مالک اور اپنے استاذ امام ابو حنیفہ اور اپنے ساتھی امام محمد کے مقابلہ میں صحابہ کرام کے حالات کا زیادہ علم تھا اور یہ عقلاً نقلاً کسی طرح درست نہیں۔ اور اگر اس غلط بات کو بھی تھوڑی دیر کے لئے تسلیم کرلیا جائے کہ حضرت قاضی ابو یوسفؒ کو دوسرے سب ائمہ فقہاء کے مقابل صحابہ کرامؓ کے اعمال و حالات کا زیادہ علم تھا تو کیا ایسی صورت میں جب خود حضرت امام ابو حنیفہ اور امام محمد اپنے لوگ بیع العینہ کے شرعی حکم کے متعلق ان سے اختلاف کررہے تھے، ضروری نہ تھا کہ وہ اپنی تائید اور ان کی تردید میں وہ مستند روایات پیش فرماتے جن سے یہ ظاہر ہوتا کہ فلاں فلاں صحابی نے بیع العینہ کا معاملہ بھی کیا اور اس کو اچھا اور مستحسن بھی کہا۔ اس علم کے اظہار کا اس سے بہتر موقع اور کیا ہو سکتا تھا؟ بہرحال جن اہل علم کا یہ دعویٰ اور اصرار ہے کہ قولِ مذکور امام ابو یوسفؒ کا ہی قول ہے تو ان پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ احادیث کی ان کتب سے جو صحابہ کرام کے اعمال و اقوال پر حاوی ہیں جیسے موطا امام مالک اور اس کی شرح التمہید لابن عبدالبر، مصنف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ، سنن الکبریٰ للبیہقی، معجم الکبیر للطبرانی، الجامع الکبیر للسیوطی، کنزالعمال، نیل الاوطار للشوکانی، المنتقیٰ لابن الجارود، المستدرک للحاکم، شرح معانی الآثار للطحاوی، معرفۃ السنن والآثار للنسائی، صحاح الستہ اور ان کی شروح، آج یہ سب مطبوعہ ہیں۔ ان میں سے وہ آثار تلاش کر کے پیش کریں جن میں صحابہ کرام کے بیع العینہ پر عمل کرنے کا ذکر ہے۔ اور اگر وہ کوئی روایت پیش نہ کرسکیں تو حنفیوں کے لئے صحیح طریقہ یہ ہے کہ وہ بیع العینہ کے متعلق اس موقف کو صحیح مانیں اور اس پر عمل کریں جو اس بیع العینہ کے متعلق امام ابو حنیفہ، امام محمد اور جمہور فقہاء کا ہے یعنی یہ کہ یہ بیع جائز نہیں۔

محترم ڈاکٹر صاحب! بیع العینہ کے متعلق میں نے قدرے تفصیل کے ساتھ اس لئے لکھا ہے کہ اس جوابی مضمون میں زیر بحث بیع المؤجل کے جواز میں بیع العینہ کے متعلق قاضی ابو یوسفؒ کے مذکورہ بالا قول کو پیش کیا گیا ہے، مثلاً اس دوسرے مضمون کے ص ۸۹ پر اور پہلے مضمون کے صفحہ ۲۷ پر جو جولائی اگست ۱۹۹۲ء کے شمارہ میں شائع ہوا تھا۔ مذکورہ بالا تحریر میں امام ابو یوسف کے قول مذکور کی حقیقت کو اس لئے واضح کرنا پڑا کہ

© rasailojaraid.com

اس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حوالے سے بے جا اور غلط فائدہ اٹھایا گیا بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ ان کو ناجائز طور پر استعمال کیا گیا۔ لیکن اس سے بھی بدتر قول وہ ہے جو فتاویٰ قاضی خان سے نقل کیا گیا۔ دیکھئے اس دوسرے مضمون کے صفحہ ۹۰ پر:

"رجل لہ علیٰ رجل عشرۃ دراھم فاراد ان یجعلھا ثلاثۃ عشر الیٰ اجل قالوا یشتری من المدیون شیئًا بتلک العشرۃ و یقبض المبیع ثم یبیع من المدیون بثلاثۃ عشر الی سنۃ لیقع التجوز عن الحرام و مثل ھذا مروی عن رسول اللہ ﷺ انہ امر بذلک"

ترجمہ: "کسی آدمی کے دوسرے آدمی پر دس درہم قرض تھے، اس نے چاہا کہ ان کو ایک مدت تک کے لئے تیرہ بنالے۔ انہوں نے کہا کہ وہ مدیون یعنی مقروض سے کوئی شے دس درہم میں خرید لے اور اس پر قبضہ کرنے کے بعد پھر وہ شے مدیون پر ایک سال کے ادھار پر تیرہ درہم میں بیچ دے۔ اس طرح حرام سے بچنے کا جواز واقع ہوجائے گا اور اس کی مثل رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے کسی کو ایسا کرنے کا امر فرمایا اور حکم دیا۔"

فتاویٰ قاضی خان کی اس عبارت میں مذکور قول کو میں نے اس وجہ سے بدتر قول کہا ہے کہ اس میں رسول اللہ ﷺ کو ملوث کیا گیا اور اپنی مطلب برآری کے لئے آپ ﷺ کی طرف غلط بات منسوب کی گئی ہے۔ اس کی وضاحت سے پہلے یہ عرض کر دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ فتاویٰ قاضی خان جس کتاب کا نام ہے اس میں مختلف مسائل سے متعلق مختلف فقہاء کے مختلف اقوال بغیر اس تفصیل کے جمع کردیئے گئے ہیں کہ کس قول کی قرآن و حدیث میں کیا دلیل ہے اور اس کی کیا شرعی حیثیت ہے۔ اور چونکہ اس میں جمع شدہ اقوال غیر معصوم انسانوں کے اقوال ہیں جو صحیح و صواب بھی ہوسکتے اور غلط و خطا بھی لہٰذا نہ مؤلفِ کتاب کا اور نہ کسی اور کا یہ دعویٰ ہے کہ اس کتاب میں لکھی ہوئی ہربات قرآن و حدیث کی طرح صحیح اور واجب العمل ہے۔ بنابریں جو شخص یہ سمجھتا ہو کہ اس کتاب میں لکھی ہوئی ہربات صحیح اور واجب العمل ہے وہ سخت غلط فہمی میں مبتلا اور جہالت کا شکار ہے۔ اب فتاویٰ قاضی خان کی اس عبارت کی طرف آیئے جس کو مضمون نگار نے زیرِ بحث بیع المؤجل کے جواز میں پیش کیا ہے کہ گویا یہ اللہ اور اس کے رسول کا

© rasailojaraid.com

کلام ہے۔ اس عبارت میں "قالوا" (انہوں نے کہا) سے جو فقہاء مراد ہیں وہ کون اور کس درجہ کے ہیں، اس کی کوئی وضاحت نہیں۔ اگر ہوتی تو پتہ چلتا کہ وہ کس درجہ کے عالم اور متقی و پرہیزگار انسان ہیں۔ بہرحال اس عبارت میں ان کی طرف منسوب جو حیلہ بیان کیا گیا ہے وہ وہی بیع العینہ والا حیلہ ہے جس کا غلط ہونا ان احادیثِ نبویہ سے ثابت کیا گیا ہے جن میں بیع العینہ کی ممانعت آئی ہے اور جن کے پیش نظر جمہور فقہاء بیع العینہ کے عدم جواز کے قائل ہوئے ہیں۔ مذکورہ عبارت کے آخر میں یہ جو الفاظ ہیں: "**ومثل هذا مرويّ عن رسول الله ﷺ انه امر بذٰلک**" چونکہ یہ مبہم و مجمل ہیں لہٰذا ان کا اس وقت تک کچھ اعتبار نہیں جب تک یہ واضح نہ ہو کہ رسول اللہ ﷺ سے مروی وہ حدیث کیا ہے، کس سند کے ساتھ حدیث کی کس کتاب میں مذکور ہے، محدثین کے نزدیک وہ صحیح اور قابلِ اعتماد ہے یا ضعیف اور ناقابلِ اعتماد، اور یہ کہ اس کے متن کے الفاظ کیا ہیں، اس میں واقعی کسی ایسے حیلے کا بیان ہے جیسا اس عبارت میں مذکور ہے یا یہ کہ اس کا مطلب غلط لے کر اس سے غلط استدلال کیا گیا ہے، کیونکہ بسااوقات ایسا ہوتا ہے کہ حدیث کا مطلب کچھ ہوتا ہے اور سمجھ کچھ لیا جاتا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ حدیث کے الفاظ واضح طور پر سامنے ہوں، اس کے بغیر کوئی بات نہیں بن سکتی اور صرف یہ کہہ دینا کوئی معنی نہیں رکھتا کہ اس طرح کی حدیث رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے جس میں اس کو اختیار کرنے کا حکم ہے۔

جہاں تک میری جستجو اور تحقیق کا تعلق ہے میں پورے وثوق و یقین اور بلاخوفِ تردید یہ دعویٰ کر سکتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کی کوئی ایسی حدیث کبھی ہرگز نہیں پیش کی جا سکتی جس میں ایسے حیلے کی اجازت ہو جو بیع العینہ میں پایا جاتا اور جس کا مذکورہ عبارت میں ذکر ہے اور جس کا مقصد سود خور کو سود لینے کے لئے تحفظ فراہم کرنا اور دس کے تیرہ بنانے کا طریقہ سکھلانا ہے۔ اگر کسی کو ایسی حدیثِ نبویؐ کے موجود ہونے کا دعویٰ اور اصرار ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس حدیث کو سند کے ساتھ کتاب کے حوالے سے پیش کرے۔ جب بھی کوئی ایسی حدیث سامنے آئے گی میں اپنی رائے سے رجوع کر کے اپنی جہالت کا اعلان کر دوں گا۔

محترم ڈاکٹر صاحب! جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں، زیرِ بحث بیع المؤجل کا معاملہ

(باقی صفحہ ۸ پر)

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.